مولانا سمیع اللہ سعدی

فقہائے تابعین کی اہل حدیث اور اہل رائے میں تقسیم

ایک تنقیدی جائزہ[2]

تیسرا سبب: عراق میں رائے واجتہاد کی کثرت اور حجاز میں قلت

اہل رائے اور اہل حدیث کی تقسیم کا ایک اہم سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ عراق میں اجتہاد اور رائے کا استعمال بہت زیادہ تھا، چنانچہ اہل عراق کثرت سے اصولوں پر تفریع کر کے نئے مسائل کا استنباط کرتے، مسائل کو فرض کر کے اس کا حکم معلوم کرنے کی کوشش کرتے۔ اس کے برعکس حجاز میں رائے واجتہاد کی بجائے حدیث کی تعلیم زیادہ ہوتی تھی، اہل حجاز صرف پیش آمدہ مسائل کے بارے میں رائے کا اظہار کرتے، اور بغیر ضرورت کے تفریعات کرتے اور نہ ہی مسائل کو فرض کر کے اس پر بحث کرتے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل عراق رائے کو زیادہ استعمال کرنے کی وجہ سے "اہل رائے" اور اہل حجاز "اہل حدیث" کے نام سے مشہور ہوئے۔ محقق قطان اہل رائے کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

كثرة تفريعهم الفروع لكثرة ما يعرض لهم من الحوادث، نظرا لتحضرهم وقد ساقهم هذا الى فرض المسائل قبل ان تقع؛ فاكثروا من " ارايت لو كان كذا"؟ فيسالون عن المسالة ويبدون فيها حكما، ثم يفرعونها بقولهم: "ارايت لو كان كذا"؟ ويقلبونها على سائر وجوهها، الممكنة وغير الممكنة احيانا، حتى سماهم اهل الحديث "الارايتيون" وتميز منهجهم بالفقه الافتراضي (۳۷)

''اہل عراق کا کثرت سے تفریعات کیا کرتے تھے، کیونکہ عراق کے ترقی یافتہ تمدن کی وجہ سے وہاں حوادث کی کثرت تھی۔ حوادث کی کثرت نے انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ مسائل کو وقوع سے پہلے فرض کریں۔ لہٰذا وہ جب کسی مسئلے کا حکم معلوم کرتے تو "ارا یت لو کان کذا" کہہ کر مسئلہ شروع کرتے، اس کا حکم معلوم کرتے، پھر اس پر تفریعات "ارا یت لو کان کذا" کہہ کر کرتے، اور اس مسئلے کے ممکنہ بلکہ کبھی غیر ممکنہ تمام پہلوؤں اور جوانب پر بحث کرتے۔ اس وجہ سے اہل الحدیث نے انہیں "ارایتیون" (یعنی کثرت سے ارایت کہنے والے) کا لقب دیا۔ ان کے منہج کا بنیادی امتیاز فقہ افتراضی تھا۔''

جبکہ اہل حدیث کی بنیادی خصوصیت یوں بیان کی ہے:

کراھیتھم لکثرۃ السؤال. وفرض المسائل، وتشعب القضایا؛ فالحکم ینبنی علی قضیۃ واقعۃ، لا علی قضیۃ مفترضۃ (۳۸)

''اہل حجاز سوال کی کثرت، مسائل کو فرض کرنے اور فقہی قضایا کے شاخ در شاخ پہلو نکالنے کو ناپسند کرتے تھے، پس ان کے نزدیک حکم شرعی صرف اس مسئلے پر لگایا جاتا، جو پیش آچکا ہوتا، نہ یہ کہ محض فرضی ہو۔''

حجاز میں رائے واجتہاد کا ایک جائزہ

حجاز خصوصاً مدینہ منورہ کے بڑے فقہاء کا جائزہ لینے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ رائے واجتہاد کے استعمال کے حوالے سے کسی طرح سے فقہائے عراق سے کم نہیں تھے۔ ان کی فقہی آراء، فتاوی اور غیر منصوص مسائل میں رائے و قیاس کا استعمال فقہائے عراق سے زیادہ نہ سہی، ان کے برابر ضرور تھا۔ اس حوالے سے چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

۱۔ اہل حجاز کے سرخیل صحابہ کرام میں سے حضرت ابن عباس کے بارے میں اما م ابن قیم لکھتے ہیں:

کان ابن عباس من اوسع الصحابۃ فتیا، وقد تقدم ان فتاواہ قد جمعت فی عشرین سفرا۔ (۳۹)

''حضرت ابن عباس تمام صحابہ میں سے سب سے زیادہ کثرت سے فتوی دینے والے تھے، اور یہ بات گزر چکی ہے کہ حضرت ابن عباس کے فتاوی بیس اجزا میں جمع کیے گئے۔''

۲۔ مدینہ میں مقیم صحابہ کرام میں سے رائے اور اجتہاد کے حوالے سے حضرت عمر بلا شبہ ممتاز ترین صحابی ہیں۔ حضرت عمر کی فقہی آراء پر مستقل تصانیف موجود ہیں، خصوصا مسند الہند شاہ ولی اللہ نے "ازالۃ الخفاء" میں فقہ عمر کے نام سے حضرت عمر کی فقہی آراء اور اجتہادات کو جمع کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ حضرت عمر کے بارے میں ابو زہرہ مرحوم لکھتے ہیں:

لا ن رای عمر فیما لا نص علیہ من کتاب او سنۃ الرسول کان کثیرا (۴۰)

''کیونکہ غیر منصوص مسائل کے بارے میں حضرت عمر کے اجتہادات کافی زیادہ ہیں۔''

اسی طرح محقق محمد رواس قلعہ جی کی "موسوعۃ فقہ عمر بن الخطاب" سے بھی حضرت عمر کی فقہی آراء کے تنوع اور وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت عمر جیسے صحابی کی موجودگی میں مدینہ منورہ میں رائے واجتہاد کی کمی کا نظریہ تاریخی نقطہ نظر سے نہایت کمزور دعویٰ ہے۔

۳۔ معروف تابعی حضرت سعید بن المسیب کا لقب فتاوی اور اجتہاد اور رائے کی کثرت کی بنا پر "الجریء" پڑ گیا تھا۔ امام بن قیم "اعلام الموقعین" میں لکھتے ہیں:

و کان سعید بن المسیب ایضا واسع الفتیا ..... و کانوا یدعونہ سعید بن السمیب الجریء (۴۱)

''حضرت سعید بن المسیب کثرت سے فتویٰ دیا کرتے تھے، اور لوگ آپ کو سعید بن المسیب الجری یعنی

فتوی کے بارے میں جرات مند کے لقب سے پکارتے تھے۔''

حضرت سعید بن المسیب کی فقہی آراء پر عراق سے ایک ضخیم کتاب "فقہ الامام سعید بن المسیب" کے نام سے چھپی ہے۔ کتاب کے مصنف الدکتور ہاشم جمیل عبداللہ ہیں۔ یہ کتاب تقریباً اٹھارہ سو صفحات پر مشتمل ہے، اس سے سعید بن المسیب کی فقہی آراء واجتہادات کی کثرت اور تنوع کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

۴۔ مدینہ منورہ کے معروف فقیہ اور امام مالک کے استاد ربیعہ بن عبدالرحمٰن کا لقب رائے اور اجتہاد کی مہارت کی بنا پر "ربیعۃ الرای" پڑ گیا تھا۔ علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں:

وکان اماما حافظا فقیها مجتهدا بصیرا بالرای ولذلك یقال له: ربیعة الرای (۴۲)

''آپ امام حافظ، فقیہ اور اجتہاد میں خوب بصیرت کے حامل تھے، اسی وجہ آپ کو ربیعۃ الرای کہا جاتا تھا۔''

۵۔ مدینہ منور میں رائے واجتہاد کے حوالے سے فقہائے سبعہ بھی کافی شہرت کے حامل تھے۔ فقہائے سبعہ سے مراد حضرت عروۃ بن الزبیر، حضرت سعید بن مسیّب، حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق، حضرت خارجۃ بن زید بن ثابت، حضرت عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبۃ، حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن، حضرت سلیمان بن یسار ہیں۔

عبداللہ بن مبارک فقہائے سبعہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

کان فقهاء اهل المدینة الذین یصدرون عن رایهم سبعة (۴۳)

''مدینہ کے وہ فقہاء جن کی رائے پر اہل مدینہ اعتماد کرتے تھے، سات تھے۔''

آگے ان کے طرز اجتہاد کے بارے میں فرماتے ہیں:

وکانوا اذاجاء تهم المسالة دخلوا فیها جمیعا، فنظروا فیها، ولا یقضی القاضی حتی یرفع الیهم (۴۴)

''جب ان کے پاس مسئلہ آتا، سب اس مسئلے کے بارے میں اکٹھے بیٹھ کر اس میں غور وفکر کرتے اور قاضی مسئلے کو ان کے پاس بھیجنے سے پہلے فیصلہ نہیں کرتے تھے۔''

فقہائے سبعہ کی اجتہادی آراء اور خاص طور پر امام مالک کی فقہی آراء کے ساتھ تقابل اور امام مالک کی فقہ پر فقہائے سبعہ کے اثرات کے حوالے سے معاصر سطح پر مستقل کام ہوا ہے۔ چنانچہ شیخ ابوزہرہ مرحوم نے "حیاۃ مالک" میں اس مسئلے پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کے علاوہ اس موضوع پر ریاض یونی ورسٹی سے معروف محقق الدکتور محمد مصطفیٰ الاعظمی کی زیر نگرانی ایک مفصل مقالہ "فقه الفقهاء السبعة واثره فی فقه الامام مالك" کے نام سے شائع ہو چکا ہے جس میں فقہ کے جملہ ابواب میں فقہائے سبعہ کی فقہی آراء پر بحث کی گئی ہے۔ اس سے مدینہ منور میں رائے واجتہاد کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ فقہ اسلامی پر فقہائے سبعہ کے اثرات کے حوالے سے الدکتور عبداللطیف الفرفور لکھتے ہیں:

هولاء هم الفقهاء السبعة الذین کونوا المدرسة الفقهیة الاولی فی هذا العصر، حتی سمی باسمهم، فقیل عصر الفقهاء السبعة، وکان عمل هولاء

الفقهاء الاولين تاسيس الفقه الاسلامی، بوضعهم الخطوط الاولی للمنهج الفقهی، و بما رسموه من الرای والنظر۔ (۴۵)

''یہ وہ سات فقہاء ہیں، جنہوں نے اپنے زمانے میں اولین فقہی مکتب کی تشکیل کی۔ ان کی شہرت کی وجہ سے اس زمانے کو فقہائے سبعہ کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ ان فقہاء کا کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے فقہ اسلامی کی بنیادیں رکھیں، فقہی منہج کے اولین خطوط وضع کیے اور قیاس اور رائے کا نمونہ پیش کیا۔''

۶۔ حجاز کے فقہاء صحابہ وتابعین کے بعد اگر مذہب مالکی اور شافعی کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے، جن کو حجازی ہونے کی وجہ سے "اہل الحدیث" میں شمار کیا جاتا ہے، تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان مذاہب میں بھی روز اول سے رائے و اجتہاد کو کلیدی حیثیت حاصل تھی، اور رائے واجتہاد کے استعمال، نصوص میں تعلیل اور فقہ تقدیری کی تشکیل میں "اہل حدیث" کے نام سے مشہور کیے جانے والے یہ دو حجازی مذاہب فقہیہ فقہائے عراق سے بڑھ کر نہیں تو ہم پلہ ضرور تھے۔ چنانچہ امام مالک کی فقہی واجتہادی آراء پر مشتمل کتاب "المدونۃ الکبری" اور امام شافعی کے علم ریز قلم سے نکلی "کتاب الام" سے اس بات کی بخوبی تائید ہوتی ہے۔ ان دونوں کتب میں فرضی مسائل کا معتد بہ حصہ موجود ہے اور مسائل کی فرضی صورتیں بنا کر اس پر احکام مرتب کیے گئے ہیں، بلکہ امام محمد کی کتب ظاہر الروایۃ کے ساتھ ان دو کتب کا تقابل کرنے سے حیرت انگیز مماثلت سامنے آتی ہے۔ ذیل میں ان تینوں کتب کے متفرق ابواب سے چند جزئیات دی جاتی ہیں جن کی صورتیں اگرچہ الگ الگ ہیں، لیکن مسئلے کی صورت فرض کرنے کا اسلوب اور طرز بالکل یکساں ہیں۔

المدونۃ الکبریٰ سے چند جزئیات

۱۔ قال مالك: لو ان نصرانيا اسلم يوم الفِطرِ رايت عليه زكاة الفطر، ولو اسلم يوم النحر كان عندی بينا ان يضحی (۴۶)

۲۔ قال مالك: لو ان رجلا من اهل الحرب اتی مسلما او بامان فاسلم وخلف اهله علی النصرانية فی دار الحرب فغزا اهل الاسلام تلك الدار فغنموها اهله وولده، قال مالك: هی وولده فی اهل الاسلام (۴۷)

۳۔ قال مالك: لو ان رجلا شهد علی رجل بانه اعتق عبدا له او علی ابيه بعد موته انه اعتق عبدا له فی وصيته فصار العبد اليه فی قسمة او اشتری الشاهد العبد انه يعتق عليه (۴۸)

۴۔ قال مالك: لو ان رجلا اشتری طعاما بقدح او بقصعة ليس بمكيال الناس رايت ذلك فاسدا ولم اره جائزا (۴۹)

۵۔ قال مالك: لو ان رجلا دفع الی رجل دابة فقال: اعمل عليها ولك نصف ما تكسب عليها كان الكسب للعامل وكان علی العامل اجارة

الدابة فی ما تساوی (۵۰)

کتاب الام سے چند جزئیات

۱۔ قال الشافعی: لو اکری رجلا رجلا دارا بمائة دینار اربع سنین فالکراء حال الا ان یشترطه الی اجل(۵۱)

۲۔ قال الشافعی: لو باع رجل رجلا عبدا علی ان المشتری بالخیار فاهل هلال شوال قبل ان یختار الرد او الاخذ کانت زکاة الفطر علی المشتری(۵۲)

۳۔ قال الشافعی: لو مات رجل له رقیق فورثه ورثته قبل هلال الشوال ثم اهل هلال شوال ولم یخرج الرقیق من ایدیهم فعلیهم فیه زکاة الفطر بقدر مواریثهم منه(۵۳)

۴۔ قال الشافعی: لو اوصی برقبة عبد لرجل وخدمته لآخر حیاته، او وقتا فقبلا، کانت صدقة الفطر علی مالك الرقبة، لو لم یقبل کانت صدقة الفطر علی الورچة لانهم یملکون رقبته(۵۴)

۵۔ قال الشافعی: لو مات رجل وعلیه دین وترك رقیقا فان زکاة الفطر فی ماله عنهم، فان مات قبل شوال زکی عنهم الورثة(۵۵)

الجامع الصغیر سے چند جزئیات

۱۔لَو حلف لَا یدخل هذه الدَّار وهذا المنزل فَقَامَ علی السَّطح حنث (۵۶)

۲۔لَو وطیء حرَّة بِشُبهَة النِّکاح ثمَّ تزوج امة فِی عدتهَا جَازَ (۵۷)

۳۔لَو تزوج الـمَرأَة علی ثوب قیمته خَمسَة دَرَاهِم لَا یجب مهر المثل وَإِنَّمَا یجب الثَّوب وَخَمسَة دَرَاهم حَتَّی یتم العشرَة (۵۸)

۴۔لَو حفر بئراً فِی دَاره فَوَقع فیها انسان وَمَات حیث لَا یضمن (۵۹)

۵۔ لو رمی الی الصید وهو مسلم فارتد واصابه السهم وهو مرتد فجرح الصید ومات حل اکله (۶۰)

امام مالک کی "المدونۃ الکبری" امام شافعی کی "الام" اور امام محمد کی "الجامع الصغیر" کے متفرق ابواب سے لئے گئے ان مسائل کا طرز، اسلوب اور حکم مرتب کرنے کا انداز بالکل یکساں ہیں، اور اگر کتب کے حوالے کے بغیر یہ مسائل اکٹھے ذکر کیے جائیں تو شاید یہ فرق کرنا بھی مشکل ہو کہ یہ الگ الگ کتب سے اخذ کردہ ہیں، چہ جائیکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ الگ الگ فقہی مسالک کے مسائل ہیں۔ ان مسائل کے یکساں اسلوب سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عراق کی فقہی مجالس اور حجاز کے فقہی حلقوں میں اجتہاد اور رائے کے استعمال کے حوالے سے کوئی خاص جوہری فرق نہیں تھا اور

نہ ہی رائے کی کمیت کے حوالے سے دونوں حلقوں میں کوئی تفاوت تھا۔ بلکہ ایک اور پہلو سے اگر دیکھا جائے تو حجازی فقہاء کی فقہی آراء واجتہادات زیادہ معلوم ہوتے ہیں، کیونکہ امام محمد کی کتب ظاہر الروایۃ عراق کے تین بڑے فقہاء امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کی فقہی آراء کا مجموعہ ہیں، جبکہ المدونۃ الکبریٰ کی پانچ ضخیم جلدیں صرف امام مالک کے اجتہادات اور الام کی دس ضخیم جلدیں اکیلے امام شافعی کی فقہی آراء پر مشتمل ہیں۔ شخصیات کی تعداد پر تقسیم کرنے سے تو حجازی مکتب کے بانیوں کے اجتہادات بہ نسبت عراقی مکتب کے زیادہ بنتے ہیں۔ اس تفصیل کے نتیجے میں معاصر محققین کی اس بات سے اتفاق کافی مشکل ہے کہ عراق میں رائے کی کثرت اور حجاز میں قلت تھی۔

۷۔ حجازی مکتب کے معروف فقہاء اور ان کی اجتہادی آراء پر عصر حاضر میں مستقل کام ہوا ہے، خصوصاً عبد المنعم الہاشمی کی کتاب "عصر التابعین "، مشہور فقیہ خلیفہ بابکر الحسن کی گرانقدر کتاب "الاجتھاد بالرای فی مدرسۃ الحجاز الفقھیۃ" اور ابوبکر اسماعیل محمد میقا کی کتاب "الرای و اثرہ فی مدرسۃ المدینۃ "اس حوالے سے بہترین کاوشیں ہیں۔ نیز تاریخ فقہ اسلامی پر لکھنے والے بعض محققین نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ حجاز میں رائے واجتہاد کی قلت کا نظریہ تاریخی حقائق سے میل نہیں کھاتا۔ شیخ ابوزہرہ مرحوم "حیاۃ مالک" میں لکھتے ہیں:

انتھینا من ھذہ الدراسۃ الی ان الرای بالمدینۃ لم یکن قلیلا، کما توھم عبارات بعض الکتاب (۶۱)

''مذکورہ بالا تحقیق وتفصیل سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مدینہ میں رائے کی مقدار کسی طرح سے کم نہیں تھی، جیسا کہ بعض مصنفین کی عبارات سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے۔''

اسی طرح شیخ مصطفیٰ الزرقاء نے "الفقہ الاسلامی و مدارسہ "میں بھی اس نظریے پر کڑی تنقید کی ہے، اور اسے تاریخی حقائق کے منافی قرار دیا ہے، ساتھ اس بات کا بھی اقرار کیا ہے کہ "المدخل الفقھی العام "میں بعض معاصرین کی اتباع میں یہ نظریہ میں نے اختیار کیا تھا، لیکن غور وفکر کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اہل رائے اور اہل حدیث کی یہ تقسیم تاریخی حقائق کے منافی ہے۔ (۶۲)

اہل حدیث اور اہل رائے کی اصطلاح، ایک تاریخی جائزہ

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ حجازی وعراقی فقہاء کی اہل رائے اور اہل حدیث کے اعتبار سے تفریق کا معاصر نظریہ تاریخی اعتبار سے انتہائی کمزور ہے، نیز اس تفریق کے جو اسباب بیان کئے جاتے ہیں، وہ بھی محل نظر ہیں، اور ان اسباب میں بحث وتمحیص کی کافی گنجائش ہے۔ اب آخر میں اہل حدیث اور اہل رائے کی اصطلاح، ان کے مصادیق اور مختلف استعمالات پر ایک نظر ڈالنا مقصود ہے، تاکہ بحث کی مزید تنقیح وتوضیح کے ساتھ ان اصطلاحات کے حوالے سے رائج مغالطوں کی بھی نشاندہی ہو جائے۔

اہل رائے کی اصطلاح اور اس کا مصداق

رائے کا لفظ ایک وسیع الاستعمال لفظ ہے، آثار واخبار میں مختلف معانی میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے، لیکن جب فقہی

مسائل کے سیاق میں بولا جائے تو اس سے مراد قیاس واجتہاد ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں کسی مسئلے کے بارے میں اپنے فہم دین کی روشنی میں فقہی فیصلہ صادر کرنے کو رائے کہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی معروف روایت ہے کہ جب ان سے اس غیر مدخولہ عورت کے بارے میں پوچھا گیا جس کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اور اس کا خاوند فوت ہو جائے تو اس کو مہر کیا ملے گا؟ جب اس حوالے سے کوئی نص نہیں ملی تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

انی ساقول برایی، لھا صداق نسائھا ،لا وکس و لا شطط (۶۳)

''اس کے بارے میں اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرتا ہوں کہ اس عورت کے لئے اس کے خاندان کی دیگر عورتوں والا مہر ہوگا، نہ اس سے کم نہ زیادہ۔''

اسی طرح معروف تابعی حضرت مسروق نے جب حضرت عبداللہ بن عمر سے نقض وتر کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

ھو شیء افعلہ برایی ولا ارویہ عن احد (۶۴)

''یہ کام میں اپنے اجتہاد کی بنیاد پر کر رہا ہوں، کسی سے روایت کی بنیاد پر نہیں۔''

حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت زید بن ثابت کا میراث کے کسی مسئلے میں اختلاف ہوا تو حضرت ابن عباس نے ایک قاصد ان کے پاس بھیجا کہ کیا یہ مسئلہ آپ کو کتاب اللہ میں ملا؟ تو حضرت زید بن ثابت نے فرمایا:

انما انت رجل تقول برایک وانا رجل اقول برایی (۶۵)

''آپ اپنے اجتہاد سے بات کر رہے ہیں اور میں اپنے اجتہاد سے۔''

آثار کی طرح فقہاء کی عبارات میں بھی رائے کا لفظ اجتہاد اور قیاس پر بولا جاتا ہے۔ اس پر کثرت سے فقہاء کی عبارات موجود ہیں، لیکن صرف نمونے کے طور پر ایک حوالہ دینا چاہوں گا۔ شوافع کے اصول فقہ کے چار ستونوں میں سے ایک "المعتمد فی اصول الفقہ" میں مصنف "باب انا متعبدون بالقیاس" کے اندر قیاس کے دلائل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

دلیل آخر ظاھر عن الصحابۃ رضی اللہ عنھم انھم قالوا بالرای (۶۶)

''اگلی دلیل یہ ہے کہ یہ بات واضح ہے کہ صحابہ نے رائے (قیاس واجتہاد) کا استعمال کیا ہے۔''

چونکہ قیاس واجتہاد پر رائے کا اطلاق ہوتا ہے، اس لئے "اہل الرای" اور "اصحاب الرای" سے مراد فقہاء ہوتے ہیں، خواہ کسی مسلک کے بھی ہوں۔ آٹھویں صدی ہجری کے معروف حنبلی عالم سلیمان الطوفی اپنی کتاب شرح مختصر الروضۃ میں لکھتے ہیں:

اعلم ان اصحاب الرای بحسب الاضافۃ ھم کل من تصرف فی الاحکام بالرای، فیتناول جمیع علماء الاسلام لان کل واحد من المجتھدین لا یستغنی فی اجتھادہ عن نظر ورای (۶۷)

''جان لو کہ باعتبار اضافت اصحاب الرائے سے مراد ہر وہ عالم ہے جو شرعی احکام میں اجتہاد سے تصرف کرتا

ہو، لہٰذا یہ تمام علمائے اسلام کو شامل ہے، کیونکہ مجتہدین میں سے کوئی بھی رائے اور اجتہاد سے مستغنی نہیں ہے۔''

اسی طرح علامہ انور شاہ کاشمیری العرف الشذی میں فرماتے ہیں:

استعمل لفظ اهل الراى فى كل فقيه (٦٨)

''اہل رائے کا لفظ ہر فقیہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔''

ان دو جلیل القدر علماء کی عبارات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اہل رائے اپنے حقیقی اور لغوی معنی کے اعتبار سے ہر فقیہ پر بولا جاتا ہے، چنانچہ امام ابن تیمیہ طلاق کے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ثم ان كثيرا من اهل الراى الحجازى والعراقى وسعوا باب الطلاق (٦٩)

''حجازی اور عراقی دونوں قسم کے فقہاء نے باب الطلاق میں توسع اختیار کیا ہے۔''

اس میں امام ابن تیمیہ نے مطلقاً فقہاء کے لئے اہل رائے کا لفظ استعمال کیا ہے، خواہ حجاز کے ہوں یا کوفہ کے۔

اسی طرح ابن قتیبہ نے "المعارف" میں اصحاب الرای کا عنوان کا باندھ کر امام ابن ابی لیلیٰ، امام اوزاعی، امام ربیعہ، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام سفیان ثوری اور دیگر معروف فقہاء کا تذکرہ کیا ہے، اور اصحاب الحدیث کا عنوان باندھ کر معروف محدثین کا ذکر کیا ہے۔ اس سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ اہل رائے کا لفظ اپنے اصل کے اعتبار سے مطلقاً فقہاء کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ (٧٠)

امام ابن حزم ایک جگہ "الاحکام" میں لکھتے ہیں:

روى عيسى بن دينار عن ابى القاسم قال سئل مالك قيل له لمن تجوز الفتيا؟ قال لا تجوز الفتيا الا لمن علم ما اختلف الناس فيه، قيل له اختلاف اهل الراى؟ قال لا، اختلاف اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم (٧١)

''عیسیٰ بن دینار ابی القاسم سے روایت کرتے ہیں کہ امام مالک سے پوچھا گیا کہ فتوی دینا کس شخص کے لیے جائز ہے؟ تو امام مالک نے فرمایا کہ فتوی اسی شخص کے لئے درست ہے جو لوگوں کے اختلافات کو جانتا ہو۔ پوچھا گیا کہ اہل رائے یعنی فقہاء کے اختلافات؟ تو امام مالک نے فرمایا، نہیں صحابہ کے اختلافات۔''

لغوی معنی کے ساتھ اہل رائے کا لفظ احناف کے لیے بطور علم کے بھی استعمال ہوتا ہے، اس لئے اس کا عمومی استعمال حنفیہ کے لئے ہوتا ہے، حنبلی عالم سلیمان الطّوفی لکھتے ہیں:

واما بحسب العلمية فهو فى عرف السلف علم لاهل العراق وهم اهل الكوفة ابوحنيفة ومن تابعه منهم (٧٢)

''علمیت کے اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو اہل رائے کا لفظ سلف کے عرف میں اہل عراق کا علم ہے، یعنی فقہائے کوفہ امام ابوحنیفہ اور ان کے متبعین۔''

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اہل رائے کا لفظ لغوی اور اضافی معنی کے اعتبار سے مطلقاً فقہاء کے

لیے استعمال ہوتا ہے، البتہ علم ہونے کے اعتبار سے یہ فقہائے حنفیہ کا لقب ہے۔

اہل حدیث کی اصطلاح اور اس کا مصداق

اہل حدیث کا لفظ قرن اول سے ان لوگوں کے لئے استعمال ہونے لگا، جن کا مشغلہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور تقریرات سے وابستگی تھا، خواہ ان کا فقہی تعلق جس مسلک سے بھی ہو، پھر یہ وابستگی درس وتدریس اور تعلیم وتعلم کی شکل میں ہو یا تصنیف وتالیف کی شکل میں ہو۔ ائمہ اربعہ کے زمانے سے ہی یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہونے لگا۔

امام شافعی الام میں ایک حدیث پر ایک ممکنہ اعتراض وارد کر کے لکھتے ہیں:

فان قال لك قائل اهل الحديث يوهنون هذا الحديث(۷۳)

''اگر کہنے والے نے کہا کہ اہل حدیث یعنی محدثین اس حدیث کی تضعیف کرتے ہیں۔''

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

واما الرجل من اهل الفقه يسال عن الرجل من اهل الحديث فيقول كفوا عن حديثه ولا تقبلوا حديثه (۷۴)

''جب فقہاء میں سے کوئی اہل حدیث یعنی محدثین سے کسی آدمی کے بارے میں پوچھتا ہے، تو وہ کہتا ہے کہ اس کی حدیث سے رک جاؤ، اور اس کی حدیث قبول نہ کرو۔''

اس عبارت میں اہل فقہ اور اہل حدیث کا تقابل کتنی صراحت کے ساتھ دلالت کرتا ہے کہ اہل حدیث سے مراد یہاں محدثین ہیں۔ اسی طرح حدیث، تفسیر یا فقہ کی تمام معروف کتب میں محدثین کا ذکر "اہل الحدیث" کے لفظ کے ساتھ ہوا ہے۔ نیز یہ لقب ہر اس شخص پر بولا جاتا ہے، جو حدیث کے تعلم وتعلیم سے متعلق ہو، خواہ وہ حنفی ہو، شافعی، مالکی یا حنبلی۔

علامہ ذہبی معروف حنفی محدث اور امام بخاری کے استاد محمد بن یحییٰ الذہلی کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

محمد بن يحيى بن عبد الله بن خالد بن فارس بن ذويب، الامام، العلامة، الحافظ، البارع، شيخ الاسلام، وعالم اهل الشرق، وامام اهل الحديث بخراسان (۷۵)

اس میں حنفی ہونے کے باوجود امام ذہلی کو "امام اہل الحدیث" کہا، کیونکہ وہ معروف معنی میں محدثین میں سے تھے۔

معروف مالکی محدث اور امام بخاری کے استاد محمد بن عبد ابراہیم البوشنجی کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

الامام العلامة، الحافظ، ذو الفنون، شيخ الاسلام، ابو عبد الله، محمد بن ابراهيم بن سعيد بن عبد الرحمن بن موسى العبدى، الفقيه، المالكى، البوشنجى، شيخ اهل الحديث فى عصره بنيسابور(۷۶)

معروف شافعی فقیہ اور خراسان کے معروف محدث ابوالولید شافعی کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

قال الحاكم: هو ابو الوليد القرشى الاموى الشافعى، امام اهل الحديث

بخراسان (۷۷)

کتب رجال میں اس کی مثالیں بکھری پڑی ہیں کہ محدثین پر اہل حدیث کا اطلاق کیا گیا ہے، خواہ اس کا تعلق کسی بھی مسلک اور مکتب سے ہو۔ نمونے کے طور پر صرف تین مثالیں پیش کیں۔

اہل الحدیث بطور فقہی مسلک

اس موقع پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اہل الحدیث کا لفظ محدثین کے لئے استعمال ہوتا ہے تو شروح حدیث اور کتب الخلافیات یعنی وہ کتب جن میں فقہی مسائل میں مختلف مذاہب کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں فقہی مسالک کے ساتھ اہل الحدیث کو ایک مستقل فقہی مسلک کے طور پر ذکر کیا گیا ہے، اس سے کیا مراد ہے اور اس کا مصداق کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ محدثین میں سے چند معروف حضرات خصوصاً امام داود ظاہری اور امام اسحاق بن راہویہ نے الگ الگ فقہی مکتب کی بنیاد رکھی۔ اسی طرح مشہور محدثین جیسے اصحاب صحاح ستہ اور دیگر معروف محدثین، اگرچہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کی طرف نسبت کیا کرتے تھے، لیکن بہت سارے مسائل میں انہوں نے اپنے فہم حدیث کی بنیاد پر مستقل موقف اپنایا، اور یہ موقف اکثر مسائل میں معروف محدثین کا ایک جیسا ہوتا، اس لئے ان کی اہمیت، اور علمی مقام کی وجہ سے فقہی مسائل کے ذکر کے ضمن میں محدثین کی آرا مستقل ذکر کی جاتیں۔ البتہ یہ بات ہے کہ یہ محدثین معروف معنی میں مجتہدین نہیں تھے کہ انہوں نے مستقل فقہی مکتب کی بنیاد رکھی ہو، اس کے حدود و جوانب طے کیے ہوں، اور ان کا حلقہ مقلدین ہو۔ کتب الخلافیات یا شروح حدیث میں اہل الحدیث کے لفظ سے مراد کبھی امام داود ظاہری، امام اسحاق بن راہویہ اور عموماً محدثین کا گروہ ہوتا ہے جنہوں نے بہت سے مسائل میں مستقل موقف اپنایا۔ یہی وجہ ہے کہ فقہی آراء کے ذکر کے وقت ائمہ اربعہ کا ذکر الگ اور اہل الحدیث کا ذکر الگ کیا جاتا ہے۔ یہ بات بھی اس کی دلیل ہے کہ اہل الحدیث شوافع، مالکیہ یا حنابلہ کی بجائے ان محدثین کے لئے استعمال ہوتا ہے، جنہوں نے مسائل میں مستقل موقف اپنایا۔ بلکہ خود شوافع، مالکیہ اور حنابلہ کی کتب میں اختلافی مسائل میں اہل الحدیث کا مستقل ذکر کیا گیا ہے۔ اگر معاصر فقہاء کا یہ نظریہ مان لیا جائے کہ اہل الحدیث حنفیہ کے علاوہ بقیہ تین مسالک کا لقب ہے، تو انہی مسالک کی کتب میں اہل الحدیث کے مستقل ذکر کی کیا توجیہ ہوگی؟ تخصیص بعد التعمیم والی بات اس وجہ سے نہیں کہہ سکتے کہ بسا اوقات محدثین کا مذہب شوافع، مالکیہ اور حنابلہ کے خلاف ہوتا ہے، تو ان کے بالمقابل اہل الحدیث کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جو ظاہر ہے کہ ان سے ایک الگ گروہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

امام نووی "المجموع" میں سعی قبل الطّواف کے مسئلے میں لکھتے ہیں:

> ولو سعى قبل الطواف لم يصح سعيه عندنا وبه قال جمهور العلماء وقدمنا عن الماوردى انه نقل الاجماع فيه وهو مذهب مالك وابى حنيفة واحمد وحكى ابن المنذر عن عطاء وبعض اهل الحديث انه يصح (۷۸)

اس مسئلے میں ائمہ اربعہ کا مسلک الگ، جبکہ اہل حدیث یعنی محدثین کے ایک گروہ کا مسلک الگ نقل کیا ہے۔

ابن رشد مالکی بدایۃ المجتہد میں لکھتے ہیں:

اختلف الفقهاء فی الذی یاتی امراته وهی حائض، فقال مالك والشافعی وابو حنیفة : یستغفر الله ولا شیء علیه، وقال احمد بن حنبل: یتصدق بدینار او بنصف دینار، وقالت فرقة من اهل الحدیث: ان وطیء فی الدم فعلیه دینار(۷۹)

اس مسئلے میں مالکیہ، شوافع اور حنفیہ کا مذہب الگ، حنابلہ کا الگ اور بعض اہل الحدیث یعنی بعض محدثین کا مسلک الگ نقل کیا گیا ہے۔ اس سے بخوبی اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ اہل الحدیث کا شمار بطور فقہی مسلک ائمہ اربعہ میں سے کسی میں نہیں ہوتا۔

معروف حنبلی فقیہ ابن قدامہ "المغنی" میں شہادت کے ایک مسئلے سے متعلق لکھتے ہیں:

قال احمد: ولا یقبل الا شاهدان، وقال طائفة من اهل الحدیث : یقبل شاهد ویمین(۸۰)

شوافع، مالکیہ اور حنابلہ کی کتب کی ان عبارات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اہل الحدیث ان تین گروہوں میں سے کسی میں شامل نہیں ہے اور خود انہی مسالک کی کتب میں اہل الحدیث کو الگ اور ممتاز گروہ کے طور پر تذکرہ کیا گیا ہے۔ اہل الحدیث یعنی محدثین کی فقہی آراء پر عصر حاضر میں مستقل کام ہوا ہے۔ اس سلسلے میں خاص طور پر ڈاکٹر عبد المجید محمود کی مایہ ناز کتاب "الاتجاهات الفقهیة عند اصحاب الحدیث فی القرن الثالث الهجری " اس بارے میں اہم ترین کاوش ہے۔ مصنف نے اس کتاب میں تفصیل سے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ محدثین ائمہ اربعہ کی طرف نسبت کے باوجود فقہی اعتبار سے الگ آراء رکھتے تھے۔ اس لئے فقہی اختلاف کے وقت ائمہ اربعہ کے ساتھ اہل الحدیث کا مستقل ذکر کیا جاتا تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

لکن الفقهاء الذین یعنون بذکر المذاهب الفقهی و اختلاف العلماء یسوقون امثال مالك والثوری والاوزاعی کاصحاب مذاهب مستقلة، ثم یعطفون علیها مذهب اهل الحدیث (۸۱)

''البتہ وہ فقہاء جنہوں نے مذاہب فقہیہ اور علماء کے اختلافات کے ذکر کا اہتمام کیا ہے، وہ ائمہ مجتہدین یعنی امام مالک، امام ثوری اور امام اوزاعی کا ذکر کرنے کے بعد اس پر اہل حدیث کے مذہب کا عطف کر کے الگ ذکر کرتے ہیں۔''

بحث کا خلاصہ

اس پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ فقہائے تابعین اور ائمہ اربعہ کی اہل رائے اور اہل حدیث میں تقسیم کرتے ہوئے احناف کو اہل رائے جبکہ بقیہ تینوں ائمہ کو اہل حدیث کے طبقے میں شامل کرنا محل نظر ہے۔ اس بارے میں جو اسباب اور وجوہات بیان کی جاتی ہیں، وہ تاریخی اعتبار سے مخدوش ہیں۔ اس غلط فہمی کی بنیادی وجہ یہ بنی کہ چونکہ اہل

رائے اضافی معنی کے ساتھ احناف کے لیے بطور لقب اور علم کے بھی استعمال ہوتا ہے، اس لیے مفہوم مخالف سے یہ سمجھ لیا گیا کہ اہل حدیث بقیہ تینوں مذاہب کا لقب ہے۔ حالانکہ اہل الحدیث کا لقب صرف ان حضرات کے لئے استعمال ہوتا ہے، جنہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور تقریرات کی حفاظت، تعلیم وتعلم اور درس وتدریس کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا، جنہیں عرف میں محدثین کہا جاتا ہے، خواہ ان کا تعلق کسی بھی فقہی مکتب سے ہو۔

حوالہ جات

۳۷۔ مناع خلیل القطان، تاریخ التشریع الاسلامی، ریاض، مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع، ص ۲۹۱

۳۸۔ ایضاً، ص ۲۹۳

۳۹۔ ابن قیم الجوزیہ، ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر، اعلام الموقعین، ریاض، دار ابن الجوزی، ۱۴۲۳ھ، ج ۱، ص ۲۸

۴۰۔ ابوزہرہ، محمد، حیاۃ مالک، دار الفکر العربی، ص ۱۶۳

۴۱۔ ابن قیم الجوزیہ، ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر، اعلام الموقعین، ریاض، دار ابن الجوزی، ۱۴۲۳ھ، ج ۱ ص ۲۸

۴۲۔ الذہبی، شمس الدین محمد بن احمد، تذکرۃ الحفاظ، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ، ج ۱، ص ۱۱۸

۴۳۔ المزی، جمال الدین، ابوالحجاج، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، بیروت، موسسۃ الرسالۃ، ۱۴۰۸ھ، ج ۱۰، ص ۱۵۰

۴۴۔ ایضاً۔

۴۵۔ الفرفور، صالح عبداللطیف، تاریخ الفقہ الاسلامی، بیروت، دار ابن کثیر، ۱۴۱۶ھ، ص ۳۶

۴۶۔ الامام، مالک بن انس، المدونہ الکبری، بیروت دار لکتب العلمیہ، ۱۴۱۵ھ، ج ۱، ص ۴۰۵

۴۷۔ ایضاً، ج ۲، ص ۲۱۷

۴۸۔ ایضاً، ج ۲، ص ۵۶۹

۴۹۔ ایضاً، ج ۳، ص ۸۹

۵۰۔ ایضاً، ج ۳، ص ۴۲۱

۵۱۔ الشافعی، محمد بن ادریس، الام، بیروت، دار المعرفۃ، ج ۲، ص ۶۱

۵۲۔ ایضاً، ج ۲، ص ۶۳

۵۳۔ ایضاً، ج ۲، ص ۶۴

۵۴۔ ایضاً۔

۵۵۔ ایضاً

۵۶۔ الشیبانی، ابوعبداللہ محمد بن الحسن الجامع الصغیر، کراتشی، ادارۃ القران والعلوم الاسلامیہ، ۱۴۱۱ھ، ص ۱۲۱

۵۷۔ ایضاً، ص ۱۷۷

۵۸۔ایضاً،ص۱۸۰
۵۹۔ایضاً،ص۴۵۰
۶۰۔ایضاً،ص۴۹۸
۶۱۔ابوزہرہ،محمد،حیاۃ مالک،دارالفکرالعربی،ص۱۷۹
۶۲۔الزرقاء،مصطفیٰ احمد،الفقہ الاسلامی ومدارسہ،بیرورت،الدارالشامیہ،۱۴۱۶ھ،ص۵۹
۶۳۔البیہقی،ابوبکراحمد بن الحسین،السنن الکبری،بیروت دارالکتب العلمیہ،۱۴۲۴ھ،ج۷،ص۴۰۰
۶۴۔الجوہری،ابوالحسن علی بن الجعد،مسند ابن الجعد،بیروت،دارالکتب العلمیہ،۱۴۱۷ھ،ص۷۹
۶۵۔الدارمی،عبداللہ بن عبدالرحمٰن،سنن دارمی،ریاض،دارالمغنی،۱۴۱۲ھ،رقم الحدیث ۲۹۱۷
۶۶۔البصری،ابوالحسین محمد بن علی،المعتمد فی اصول الفقہ،المعہد العلمی،دمشق،۱۳۸۴ھ،ج۲،ص۲۸۰
۶۷۔الطّوفی،نجم الدین سلیمان بن عبدالقوی،شرح مختصر الروضۃ،ریاض،وزارۃ الشوون الاسلامیہ،۱۴۱۹،ج۳، ص۲۸۹
۶۸۔الکشمیری،محمد انورشاہ،العرف الشذی،بیروت،داراحیاءالتراث العربی،۱۳۲۵ھ،ج۲،ص۲۶۸
۶۹۔ابن تیمیہ،تقی الدین،الفتاوی الکبری،بیروت،دارلکتب العلمیہ،۱۴۰۸ھ،ج۳،ص۱۹۳
۷۰۔ابن قتیبہ،ابوعبداللہ محمد بن مسلم،المعارف،قاہرہ،دارالمعارف،ص۴۹۴
۷۱۔ابن حزم،ابومحمد علی ابن احمد،الاحکام فی اصول الاحکام،بیروت،دارالآفاق،ج۶،ص۱۷۷
۷۲۔الطّوفی،نجم الدین سلیمان بن عبدالقوی،شرح مختصر الروضۃ،ریاض،وزارۃ الشوون،۱۴۱۹ھ،ج۳،ص۲۸۹
۷۳۔الشافعی،محمد بن ادریس،الام،بیروت،دارالمعرفۃ،ج۳،ص۸
۷۴۔ایضاً،ج۶،ص۶۰۲
۷۵۔الذہبی،شمس الدین محمد بن احمد،سیر اعلام النبلاء،بیروت،موسسۃ الرسالۃ،۱۴۰۵ھ،ج۱۲،ص۲۷۳
۷۶۔ایضاً،ج۱۳،ص۵۸۱
۷۷۔ایضاً،ج۱۵،ص۴۹۵
۷۸۔النووی،ابوزکریا محی الدین بن شرف،المجموع شرح المہذب،مصر،ادارۃ الطباعۃ المنیریہ،ج۸،ص۷۸
۷۹۔القرطبی،ابن رشد،بدایۃ المجتہد،بیروت،دارلفکر،۱۴۲۴ھ،ج۱،ص۱۱۵
۸۰۔ابن قدامہ،موفق الدین ابومحمد عبداللہ بن محمد،المغنی،ریاض،دارعالم الکتب،۱۴۱۷ھ،ج۱۳،ص۷۴
۸۱۔عبدالمجید محمود،الاتجاہات الفقہیہ عنداصحاب الحدیث فی القرن الثالث الھجری،،مکتبۃ الخانجی،۱۳۹۹ھ،ص۱۳۶